بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# محدث دہلی

| نمبر ۹ | ماہ جنوری ۱۹۳۶ء مطابق شوال المکرم ۱۳۵۴ھ | جلد ۳ |
| --- | --- | --- |

# اعتقاد قضا و قدر جزو ایمان ہے

(سعد یمانی متعلم دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

ناظرین کی خدمت میں آج میں اس بات کو پیش کروں گا کہ عقیدۂ قضا و قدر ایمان کا ایک اہم جزو ہے۔ قبل اس کے کہ میں اس عنوان پر روشنی ڈالوں اس امر کو بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ تقدیر کے کیا معنی ہیں اور تقدیر کسے کہتے ہیں۔ حضرات! وحی محمدی نے اس مقصود کو بیان کرنے کیلئے دو لفظ استعمال کئے ہیں ایک لفظ "قدر" جس کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں دوسرا "قضا" جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ یعنی ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ کیساتھ پیدا کیا۔ دوسری جگہ فرمایا هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ۝ یعنی وہ ایسی ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک وقت کی تعین کر دی۔ یہ دونوں لفظ بجائے خود پوری طرح اس عقدہ کی اسلامی حقیقت کو واضح کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک مہندس اور انجنیر: مکان بنانے سے پہلے اس کے تمام جزئیات پر غور کر کے پہلے ہی سے اس کا نقشہ طیار کر لیتا ہے اور اسی مجوزہ نقشہ کے مطابق مزدور اور معمار اس تعمیر کی تکمیل کرتے ہیں اسی طرح اس خالق کائنات نے (لیس کمثلہ شئ) اس کائنات کی پیدائش سے پہلے اس کے تمام قواعد اور دیگر اہم جزئیات کو طے کر کے ہر چیز کے متعلق ایک فیصلہ کر دیا ہے اب اسی فیصلہ کے مطابق یہ کائنات اس کے تمام واقعات اور حوادث ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ موت و حیات۔ عروج و زوال۔ فقر و غنا فوز و خیبت رنج و راحت غرض ہر چیز پہلے ہی سے طے شدہ ہے۔ قرآن مجید میں اسی مسئلہ کو متعدد جگہ بار بار تکرار کے ساتھ بیان کیا ہی کائنات کے بہت سے احوال کو بیان کرنے کے بعد ہے۔ والشمس تجری لمستقر لها ذٰلك تقدیر العزیز

العلیم والقمر قدرنا منازل حتی عاد کالعرجون القدیم لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا الیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون ۝ یعنی آفتاب اپنے ٹھراؤ پر چل رہا ہے یہ غالب علم والے کی تقدیر یعنی اندازہ ہے اور چاند کو ہم نے تقدیر یعنی اندازہ کر دی ہیں منزلیں، یہاں تک کہ وہ پرانی ٹہنی کی طرح خمیدہ ہو کر لوٹتا ہے۔ نہ تو سورج کی قدرت میں ہے کہ وہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکے۔ ہر ایک اپنے مدار پر تیر رہا ہے۔ یہ تو آسمان کے متعلق تھا زمین کے متعلق ارشاد ہے وقدر فیہا اقواتہا آگے چل کر فرمایا ہم نے ہر چیز کے متعلق ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے فرمایا وقد جعل اللہ لکل شیء قدرا۔ اللہ رب العلمین نے ہر چیز کے متعلق ایک فیصلہ کر دیا ہے۔ موت اور حیات بھی اسی فیصلہ کے مطابق آتی ہے فرمایا نحن قدرنا بینکم الموت ۝ ہم نے تمہارے درمیان موت کا اندازہ کر دیا ہے۔

قرآن مجید میں ایمانیات کے سلسلہ میں اگرچہ اس کو شمار نہ کیا گیا ہو مگر اس کا اعادہ قرآن پاک میں اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اس کی اہمیت اسی بات کی مقتضی ہو گئی کہ اسے بھی ایمانیات کے پہلو میں جگہ دی جائے چنانچہ بعض صحیح حدیث میں اس کی تصریح بھی آگئی ہے۔ عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن حتی یومن باربع یشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ بعثنی بالحق ویومن بالموت و البعث بعد الموت ویومن بالقدر۔ یعنی آپ نے فرمایا جب تک انسان توحید اور رسالت اور موت وحشر و نشر اور تقدیر کا قائل نہ ہوگا مومن ہی نہیں بن سکتا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ عن ابن الدیلمی قال اتیت ابی بن کعب فقلت لہ وقع فی نفسی شیء من القدر فحدثنی بشیء لعل اللہ یذھبہ من قلبی فقال لو ان اللہ عذب اھل سمواتہ واھل ارضہ لعذبہم وھو غیر ظالم لھم ولو رحمہم کانت رحمتہ خیرا لھم من اعمالھم ولو انفقت مثل احد ذھبا ما قبل اللہ منک حتی تومن بالقدر۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے سوال کیا ما الایمان۔ ایمان کیا چیز ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا ان تومن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ وتومن بالاخرۃ وتومن بالقدر۔ دوسری حدیث میں ہے عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل امۃ مجوس ومجوس ھذہ الامۃ الذین یقولون لا قدر من مات منھم فلا تشھدوا جنازتہ ومن مرض منھم فلا تعودوہ فانھم شیعۃ الدجال وحق علی اللہ ان یلحقھم بالدجال ۝ یعنی آپ نے فرمایا ہر امت میں مجوس ہیں اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ان کے جنازہ میں مت جانا ان کی عیادت نہ کرنا وہ دجال کے متبعین ہیں اللہ کو بھی حق ہے کہ ایسے لوگوں کو دجال کے ساتھ ملا دے۔ پس ان سب حدیثوں سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمان شرعی کا ایک اہم جزو ہے۔

بعض لوگوں کو غلط فہمی کی وجہ سے یہ مغالطہ ہو گیا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانے سے انسان کو مجبور محض ہونا لازم آتا ہے اور اسی سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان اپنی تقدیر پر صابر اور شاکر رہ کر غافل اور سست ہو کر

بیٹھے رہیں یہ خیال ان کا بالکل غلط ہے کیونکہ انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی ناچیز کوشش کی ذرا سی کامیابی پر فخر و غرور کے نشہ میں چور ہو جاتا ہے اور ادنیٰ سی ناکامی کی وجہ سے شکستہ دل ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے یہ دونوں بیماریاں انسان کو اس لئے لاحق ہوتی ہیں کہ وہ اپنے برے بھلے نتیجہ کو اپنے کرتوت کا لازمی نتیجہ سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی تو اپنے کئے پر مغرور ہو کر اترانے لگتا ہے اور کبھی اپنے کرتوت کے برے نتیجہ کو دیکھکر افسوس اور ندامت کے مارے اپنی انگلیاں کاٹنے لگتا ہے ۔ یہ دونوں کیفیتیں ایسی ہیں کہ اس کی وجہ سے اقوام اور افراد کی متانت اور صبر و ثبات اور استقلال برباد ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایک ایسے عقیدہ کی ضرورت تھی جو انسان کی کامیابی کے غرور اور مسرت اور ناکامی کے افسوس و حسرت میں انسان کی اس عاجز، ناتوان انسان کی دستگیری کرے اور وہ عقیدہ یہی قضا و قدر کا عقیدہ ہے ۔

اس عقیدہ کا منشا یہ ہے کہ ہمیں جو کامیابی حاصل ہوتی ہے وہ براہ راست ہماری کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے اسلئے ہمیں اس پر مغرور نہیں ہونا چاہئے اسی طرح ہماری ناکامی بھی ہماری کوشش ہی کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے اقتضا کا نتیجہ ہے اور ہمارے کام سے پہلے ہی یہ نتیجہ علام الغیوب کے علم میں مقرر ہو چکا تھا اس لئے ہمیں اس پر دل شکستہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ از سر نو جد و جہد میں مصروف ہونا چاہئے۔ اس مسئلہ کی پوری توضیح سورہ حدید میں بایں الفاظ موجود ہے۔ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر ۔ لکیلا تأسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اٰتٰکم ۔ واللہ لا یحب کل مختال فخور ۔ یعنی زمین میں اور اس کے باشندے پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ اس کے آنے سے پہلے ہی کتاب میں موجود تھی۔ ہم نے اس مسئلہ کو اس لئے بیان کیا تاکہ تمہیں تمہاری فوت شدہ چیز پر افسوس نہ ہو اور جو چیز تمہیں دی گئی ہے اس پر نہ اتراؤ۔ اللہ اترانے والے پر خوش نہیں ہوتا ۔

اس آیۃ کریمہ میں مسئلہ قضا و قدر کے فلسفہ کو ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ اس کی تائید کیلئے مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ اسی عقیدہ کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام کی گردنیں عین کامیابی اور فتوحات کی حالت میں خداوند قدوس کے سامنے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی وجہ سے ان کے دل یاس اور ناامیدی سے دوچار نہیں ہوتے تھے۔ ان کی عملی زندگی میں جو کوئی نتیجہ ان کے سامنے آتا تھا وہ اس کو خداوند عالم کی جانب سے سمجھکر خاموش رہتے تھے۔ مالی بیچارگی، سیاسی مصیبت عزیزوں کی مفارقت لڑائیوں کی ناکامی کسی موقع پر نعمت خداوندی سے وہ مایوس ہونا نہیں جانتے تھے۔ اور خطرناک سے خطرناک کام کیلئے وہ قدم اٹھاتے تھے۔ کیونکہ انکا یقین تھا کہ موت اپنے وقت پر آئیگی اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا ۔

**اس رسالے کا چھٹا صفحہ ضرور ملاحظہ ہو**